Scanned with CamScanner

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۷	ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ / دسمبر ۲۰۰۶ء	شمارہ ۱۲

نسیان النفس

ترکِ عمل

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی.

قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپے زر سالانہ =/۱۰۰ روپے

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور

پتہ دفتر
۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ماہنامہ
الامداد

فون نمبر
۵۴۲۲۲۱۳
۵۴۲۲۲۰۶

ناشر: مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۱۳ ریتی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

وعظ

نسیان النفس

ترکِ عمل

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ۵ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ کو یہ وعظ مسجد تھانہ بھون میں دو گھنٹے بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ جسے مولانا سعید احمد صاحب نے قلمبند فرمایا۔

وعظ

نسیان النفس

(ترکِ عمل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ط بسم اللہ الرحمن الرحیم ط قال اللہ تبارک و تعالی (اتأ مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون) (۱)

غلط فہمی کا ازالہ

یہ ایک آیت ہے جس میں ظاہراً اہل علم کو خطاب اور ان کے ایک عمل پر ان کو عتاب (۲) کیا گیا ہے۔ یہ آیت اس معنی میں نہایت مشہور ہے اور اکثر لوگ اس سے یہی سمجھتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہے کہ غیر اہل علم اپنے کو بوجہ فقدانِ علم (۳) اس سے بری سمجھتے ہیں۔ لیکن ذرا غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس امر (۴) پر باز پرس کی گئی ہے اور

(۱) اللہ تعالی فرماتے ہیں کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کاموں کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے" البقرۃ: ۴۴ (۲) ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے (۳) عالم نہ ہونے کی وجہ سے (۴) جس بات پر گرفت کی گئی ہے۔

جو امر اس باز پرس کی بناء (۱) ہے اس میں عوام الناس بھی بدرجہ اولی (۲) شریک ہیں۔ اس آیت میں اول سے آخر تک غور کرنے سے عوام اور علماء سب کے لئے اس آیت کا عام ہونا بخوبی واضح ہو جائے گا۔ اسی طرح قرآن کی دوسری وہ آیات بھی ہیں جن میں سے بعض میں بظاہر اہل علم کو خطاب معلوم ہوتا ہے جس کی بنا (۳) پر عوام الناس ان کے مضمون سے اپنے کو بالکل بری سمجھتے ہیں بلکہ بسا اوقات علماء کو کسی مضمون کی وجہ سے مورد عتاب (۴) دیکھ کر اپنا عالم نہ ہونا غنیمت سمجھتے ہیں اور اپنے جہل پر فخر کرتے ہیں اور بعض میں عوام الناس کو خطاب معلوم ہوتا ہے ان سے اہل علم اپنے کو بری سمجھتے ہیں لیکن یہ تقسیم اسی وقت تک ہے جب تک کہ سرسری اور ظاہری نظر کی جائے ورنہ غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ سب عام ہیں ہر جاہل و عالم اس کا مخاطب ہے لہذا نہ کسی کو ناز کا موقع ہے اور نہ اعتقاد براءت کی گنجائش (۵) ہے۔ اور چونکہ یہ آیت بھی احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے اس لئے اس کا مضمون بھی سب کو عام ہے۔ یہ مجمل تعیین ہے اس آیت کے مضمون کی۔

مدلول آیت کا حاصل

اب مجھے اس آیت سے جو بیان کرنا مقصود ہے اس کو مجملاً بیان کرتا ہوں اور تفصیل اس کی ان شاء اللہ تعالی پوری بیان میں ہوگی۔ لیکن اس کیلئے اول آیت کا ترجمہ کر دوں کہ آیت کا مدلول ظاہری معلوم ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ "کیا تم دوسروں کو تو نیک اور بھلی باتوں کی فرمائش کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو (یعنی یہ کیا

---

(۱) اور جو کام اس گرفت کی بنیاد ہے (۲) اس میں عوام بھی یقیناً شریک ہیں (۳) جس کی وجہ سے (۴) علماء پر عتاب ہوتا دیکھ کر (۵) اپنے کو بریٔ الذمہ سمجھنے کی گنجائش ہے۔

لغو حالت ہے) حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو (اور اس میں یہ لکھا ہے کہ عمل قول کے مخالف ہونا مذموم (۱) ہے اور حکم خداوندی کے بالکل خلاف) کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ یہ مذموم ہے اور خدا کے نزدیک برا ہے۔ یہ حاصل ہے آیت کے مدلول ظاہری کا۔

عوام کے شبہ کا ازالہ

اس آیت کے متعلق ایک شبہ تو اہل علم کو ہوا اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ ضمناً بیان کر دیا جائے گا۔ اور ایک شبہ عوام الناس کو ہوا وہ یہ کہ انہوں نے صرف علماء ہی کو اس آیت کا مخاطب سمجھا اور اپنے کو بری سمجھا، اور سمجھا کہ صرف علماء پر ملامت ہے اور قرینہ اس شبہ کا یہ ہوا کہ عنوان ایسا اختیار کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب وہ شخص ہے جو کہ دوسرے کو امر یا نصیحت کرتا ہے اور یہ منصب صرف علماء کا ہے لہٰذا علماء ہی اس آیت کے مخاطب بھی ہوں گے۔ یہ عوام الناس کا شبہ ہے، اور اثر اس شبہ کا یہ ہوا کہ اپنے کو اس خطاب سے بالکل پاک سمجھا اور یہ بہت بڑی خرابی ہے اس واسطے کہ یہ سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی مریض جو کہ مرض مزمن (۲) میں مبتلا ہو اپنے کو اس مرض سے پاک سمجھنے لگے سو ظاہر ہے کہ ایسا مریض نہایت بدقسمت ہے اس کا مآل (۳) نہایت برا ہے کیونکہ اگر یہ اپنے کو مریض سمجھتا تو اسکے معالجے (۴) اور ازالے کی فکر بھی کرتا، کسی طبیب سے رائے لیتا، اس کی تجویز پر عمل کرتا مضرات (۵) سے پرہیز کرتا۔ اور جبکہ وہ اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتا تو نہ کسی طبیب سے رجوع کرنے کو ضروری سمجھے گا نہ پرہیز کرے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ مرض میں ترقی ہوتی جائے گی۔ اور اس سے پھر

---

(۱) بُرا ہے (۲) تپ دق کے پرانے مرض میں مبتلا ہو (۳) انجام (۴) اس کا علاج کرنے اور اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا (۵) نقصان دہ چیزوں سے۔

دوسرے امراض پیدا ہوں گے۔ ایک خرابی تو اپنے کو پاک سمجھنے کی یہ ہوئی۔

عوام کی غلطی

دوسرے جب عوام نے سمجھا کہ علماء کو اپنے عمل نہ کرنے اور دوسروں کے نصیحت کرنے پر عتاب ہوا ہے تو انہوں نے اپنے عالم نہ ہونے کو غنیمت جانا بلکہ بسا اوقات اپنے جاہل رہنے پر فخر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے تو جاہل ہی اچھے حالانکہ یہ نہایت لغو فخر ہے اس کی حقیقت ان شاء اللہ تعالیٰ آگے معلوم ہوگی۔

آجکل ہم لوگوں کی کچھ ایسی عجیب حالت ہے کہ ہم کو نہ نقائص (۱) کی خبر نہ فخر ومباہات کی اشیاء پر اطلاع، جس چیز پر جی چاہا فخر کرنے لگے۔ جس چیز میں جی چاہا عیب نکال دیئے۔ چنانچہ بعض لوگوں کو خبط ہوتا ہے کہ وہ اپنے غریب اور مفلوک الحال ہونے پر فخر کیا کرتے ہیں اور امارت میں عیب نکالا کرتے ہیں، بھلا امیر آدمی اگر فخر کرے تو ایک حد تک بجا بھی ہے کیونکہ اس کے پاس سامان فخر موجود ہے غریب آدمی نہ جس کے کھانے کو ٹکڑا نہ پہننے کو لنگوٹا وہ کس چیز پر فخر کرے اور پھر لطف یہ کہ یہ فخر قولاً ہی نہیں بلکہ عمل میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی موقع تقریب وغیرہ کا ہوتا ہے تو ہم نے ان غرباء ہی کو زیادہ اینٹھتے ہوئے دیکھا ہے ان ہی کو سب سے زیادہ نخرے اور ناز سوجھتے ہیں اور اس کی یہ بھی وجہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ شخص ہماری دعوت کا منتظر بیٹھا تھا۔ اسی طرح ان غرباء کا ایک اور مقولہ بھی مشہور ہے کہتے ہیں کہ میاں کوئی مال میں مست ہے کوئی کھال میں مست ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کھال میں مست

(۱) نہ عیوب کا پتہ نہ باتوں کی خبر ہے کہ کس بات پر فخر کیا جائے کس پر نہیں۔

ہونے کے کیا معنی ہیں؟ لیکن خیر انہوں نے اتنا تو اقرار کیا کہ ہم میں عقل نہیں کیونکہ اپنے کو مست کہا اور مستی عقل کے خلاف ہوتی ہے اور اگر عقل ہوتی تو ایسی حرکت ہی کیوں کرتے۔

اللہ کو تین آدمیوں سے بغض ہے

حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالی کو تین آدمیوں سے سخت بغض ہے۔ ایک وہ شخص کہ بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے کیونکہ جھوٹ بولنے کی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ جو بات سچ بولنے میں حاصل نہ ہو سکے اس کو اس ذریعہ سے حاصل کیا جائے اور یہ ضرورت اس شخص کو پیش آسکتی ہے جس کے مزاحم (۱) کوئی ایسی قوت موجود ہو جو کہ اس کے اور مقصود کے درمیان حائل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کوئی ایسا مزاحم پیش نہیں آیا لہذا اس کا جھوٹ بولنا خبث باطن (۲) کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے وہ شخص کہ بڈھا ہو اور پھر زنا کرے کیونکہ زنا اول تو حرام ہے دوسرے بڈھے آدمی میں کوئی ایسا جوش بھی نہیں جس کی بنا پر کسی مرتبے میں اس کو معذور رکھا جا سکے اس لئے اس کا یہ فعل بھی اس کے خبث باطن کی دلیل ہے۔ تیسرے وہ شخص جو کہ غریب ہو اور تکبر کرے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے شخص تیرے پاس کیا چیز ہے کہ جس پر تو تکبر کرتا ہے؟ تو ایسے ہی جاہل کا فخر بھی بہت ہی بُرا ہے۔

جہل قابل فخر نہیں

بالخصوص جبکہ جہل پر فخر ہو یعنی جاہل آدمی کا دوسری اشیاء پر فخر کرنا بھی زیبا

---

(۱) مقابل (۲) باطنی گندگی۔

نہیں لیکن صفت جہل پر فخر کرنا بہت ہی نازیبا ہے کیونکہ علم انسان کیلئے حیات ہے اور جہل موت اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اکثر امراء جو روپیہ پیسے پر فخر کرتے ہیں یہ بھی حقیقت ناشناسی کے سبب سے ہے۔ کیونکہ جب ان میں علم نہیں تو گویا فخر کی کوئی بات نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

الناس من جهة التمثال اكفاء
ابوهم آدم والام حواء

ما الفخر الا لاهل العلم انهم
على الهدى لمن استهدى ادلاء

(لوگ شکل وصورت میں تو سب ایک جیسے ہیں باپ ان کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ماں حضرت حوا علیہا السلام ہیں پھر ایک دوسرے پر فخر کیسا، سوائے اہل علم کے کیونکہ وہ اہل ہدایت ہوتے ہیں اور طالبِ حق کی رہنمائی کرتے ہیں)

دنیا پر فخر کرنے والوں کی نادانی بیان کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ حسب ونسب کوئی فخر کی چیز نہیں کیونکہ تمام لوگ ایک آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں اور اسی کے حکم میں ہے مال پر فخر کرنا کیونکہ آگے جو علت مذکور ہے مشترک ہے آگے کہتے ہیں کہ البتہ فخر اگر کریں تو علماء کر سکتے ہیں کیونکہ وہ خود راہِ راست پر ہیں اور دوسرے کیلئے دلیل راہ بنتے ہیں۔

کثرت مال پر فخر کرنا حماقت ہے

اور مال کو تو اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا نہ ہونا موجب فخر ہو سکتا ہے

کیونکہ مال کی حالت سانپ کی سی ہے کہ اس کا ظاہر نہایت دلکش دلفریب چکنا چمکدار لیکن اسکے باطن میں مہلک زہر بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح مال اگرچہ ظاہر میں آسائش و آرائش وراحت وآرام کا سبب ہے لیکن اس کا باطن تمام خرابیوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے تو مال پر فخر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس پر فخر کرنے لگے کہ میرے تمام جسم کو سانپ لپٹے ہوئے ہیں اگر کوئی اس پر فخر کرے تو ظاہر ہے کہ سب عقلاء اس کو احمق بتائیں گے اسی طرح مال پر فخر کرنے والے کو بھی احمق سمجھنا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

رضينا قسمة الجبار فينا
لنا علم و للا عداء مال

فان المال يفنى عن قريب
و ان العلم باق لا يزال

(اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے ہمیں بہت خوشی ہے کہ انہوں نے ہمیں علم دیا اور دشمنوں کو مال، اس لئے کہ مال بہت جلد فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا) یعنی مال تو فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔

مال کی بے وفائی

صاحبو! مال وہ چیز ہے کہ اکثر تو حالت ہی میں جاتا رہتا ہے ورنہ مرض الموت میں تو اس کا جاتا رہنا بالکل ہی یقینی ہے کیونکہ شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ مرض الموت میں دو تہائی مال سے مالک کا حق جاتا رہتا ہے اور وارثین کا حق اس

کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں وصیت کرے یا اپنا مال کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ایک ثلث میں جاری ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس تین ہزار روپے ہوں اور وہ ان تین ہزار کی وصیت کرے یا دو ہزار کی وصیت کرے تو یہ صرف ایک ہزار میں جاری ہوگی۔ بقیہ دو ہزار ورثاء کو دیا جائے گا اور یہ ایک تہائی بھی اس کے آنسو پوچھنے کیلئے اس کو دے دیئے جائیں گے۔ ورنہ وارثین کا حق کل مال کے متعلق ہو جاتا ہے چنانچہ اگر وصیت نہ کرے تو یہ ثلث بھی وارثین کو ہی مل جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مال جس کو ہم اپنا سمجھ رہے ہیں واقع میں ہمارا نہیں بلکہ بسا اوقات ایسوں کو پہنچ جاتا ہے کہ جن کو دینا گوارا بھی نہیں ہوتا نیز اس تہائی پر جو کچھ اختیار رہتا ہے وہ مرنے کے قبل تک رہتا ہے اور مرنے کے بعد تو کچھ بھی اختیار نہیں رہتا۔ یعنی اگر کوئی کفن بھی نہ دے تو یہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مال بہت جلد جدا ہونے والا ہے حتی کہ قبر تک بھی ساتھ نہیں دیتا۔ کیونکہ قبر میں صرف ایک کفن جاتا ہے مگر کفن سے مردے کو کیا فائدہ۔ غرض نہ قبر میں گیا نہ حشر میں گیا اس لئے کہ وہاں یہ حالت ہوگی کہ (لقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول مرة) یعنی قیامت کے دن خدا تعالی فرمائیں گے کہ تم ہمارے پاس بالکل تنہا آئے ہو کہ کوئی چیز تمہارے ساتھ نہیں ہے بالکل ایسے جیسا ہم نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا۔ یعنی یکہ وتنہا۔

اخلاص سے فی سبیل اللہ خرچ کا فائدہ

ہاں اگر زندگی میں کچھ فی سبیل اللہ دے دیا ہے تو وہ جائے گا لیکن اس کا جانا کچھ مال ہونے پر موقوف نہیں ہے کیونکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے خود مال تو جاتا

نہیں بلکہ ثواب جاتا ہے جو کہ حشر میں کام آئے گا اور ثواب کا حصول مال پر موقوف نہیں بلکہ اس کا مدار نیت پر ہے حتی کہ اگر کوئی شخص لاکھوں روپیہ فی سبیل اللہ خرچ کرے اور نیت درست نہ ہو تو اس کو کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا۔ اور اگر ایک پیسہ بھی پاس نہ ہو اور یہ نیت ہو کہ اگر خدا تعالیٰ ہم کو دیں تو ہم خوب نیک کاموں میں صرف کریں تو ثواب کامل مل جائے گا۔

علماء کا اطمینان

برخلاف علم کے جس کے ساتھ ہو وہ دنیا بھر سے مستغنی ہے اس کو نہ رفیق کی ضرورت نہ مونس کی ضرورت وہ ہر وقت خوش اور مطمئن ہے بلکہ اس کی خوشی اور اطمینان کی یہ حالت ہے کہ کسی بادشاہ کو بھی وہ خوشی اور اطمینان حاصل نہیں بادشاہ کو سب سے اول اپنے مصاحبوں ہی سے خطرہ ہوتا ہے۔ کہ یہ مجھے زہر نہ دے دیں، مار نہ ڈالیں، ایسے متعدد واقعات ہیں کہ خود بادشاہ کے حرم سرا نے اس کو زہر دیا اور عالم کے اطمینان کی یہ حالت ہے کہ تن تنہا جنگل میں ہے مگر محفوظ، بادشاہ سے زیادہ اطمینان میں ہے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ علم کے ثمرات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں ہاں جن لوگوں کو علم نہیں ہے ان کو تعجب ہو تو تعجب نہیں۔ مگر علم سے مراد یہ نہیں کہ قال در اصل قــول (۱) بود جاننا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں "وجعلنا له نورا يمشى به فى الناس" (ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں) اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

(۱) علم سے مراد صرفی نحوی تحقیق کا جاننا ہی نہیں ہے کہ یہ جانتا ہو کہ لفظ قال، قول سے بنا ہے

موحد چہ برپای ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید وہراسش نباشد زکس ہمین ست بنیاد توحید وبس

(موحد کے پیر پر خواہ تم سونا بکھیر دو یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو وہ نہ کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ کسی سے امید وابستہ کرتا ہے اور توحید کی بنیاد بھی یہی ہے)

اگر چاروں طرف سے اسکو تلواروں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے کیلئے اترے۔ اتفاق سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی کوئی اس وقت قریب نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار درخت میں لٹکا دی اور درخت کے نیچے سو گئے اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دشمن کو خبر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا فلاں درخت کے نیچے سو رہے ہیں۔ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً وہاں آیا آکر دیکھا تو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا سو رہے تھے۔ اور تلوار بھی درخت میں لٹک رہی تھی اس نے اول دبے پاؤں آکر تلوار پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے نہایت آہستگی سے نیام سے نکالا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکھڑا ہوا۔ جب بالکل تیار ہو گیا تو آپ کو بیدار کیا اور پوچھا من یعصمک منی۔ اسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپ نے اس کی یہ ہیئت دیکھ کر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں فرمائی اور اس کے سوال کے جواب میں نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ اللہ یعنی مجھے اللہ بچائے گا۔ بھلا کوئی ایسا کر تو دکھلاوے۔ بدون خدا کے تعلق کے کوئی ایسا نہیں کرسکتا۔ تو

علم اس کا نام ہے۔ ورنہ نرے الفاظ تو شیطان بھی خوب جانتا ہے۔ اس ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ وہ لرزنے لگا اور تلوار چھوٹ کر زمین پر گر گئی آپ نے فوراً لپک کر تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو دیکھ کر نہایت گھبرایا اور کہنے لگا کہ مجھے آپ ہی بچائیں گے آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کرم فرمایا اور اس کی گستاخی کو معاف فرما کر اس کو چھوڑ دیا۔ تو یہ ہے علم اور اس کا اثر جس کو کہتے ہیں کہ

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید وبس (۱)

کمالِ معرفت

اور راز اس کا یہ ہے کہ علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ "عسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم" (۲) (بسا اوقات ایک چیز ظاہرا بری معلوم ہوتی ہے لیکن فی نفسہ وہ اچھی ہوتی ہے) اس لئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور کفارۂ سیئات (۳) ہورہا ہے نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں اسمیں ہمیں رکھیں چنانچہ اسی کو مصیبت کے موقع پر فرماتے ہیں۔

"وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔" (۴) (آپ ان صابر لوگوں کو جو مصیبت پڑنے پر کہتے ہیں کہ اللہ ہی کا ہوں اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے خوشخبری دے دیجئے۔)

---

(۱) موحد کے پیر پر خواہ تم سونا بکھیر دو یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو وہ نہ کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ کسی سے امید وابستہ کرتا ہے اور توحید کی بنیاد بھی یہی ہے (۲) البقرہ۔۲۱۶ (۳) گناہوں کا کفارہ (۴) البقرہ ۱۵۶۔

سورۃ یٰس اور انا للہ پڑھنے کے مواقع

مگر افسوس ہے کہ ہم لوگوں نے اب اس آیت کو موت ہی کے موقع کے لئے خاص کرلیا ہے۔ ایک بڑھیا کا واقعہ ہے کہ اسکا بچہ اکثر مصیبت کے موقع پر "اناللہ" پڑھ دیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بڑھیا کہنے لگی کہ بچے خیر مانگ کس کو مارنے کا ارادہ ہے؟ اسی طرح سورۃ یسین کہ اس کو مصیبت کے آسان کرنے کیلئے پڑھا جاتا ہے لیکن اب عام طور سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سورۃ یسین صرف نزع کے وقت پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ آج دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کو جائے اور اس کی تکلیف کو دیکھ کر سورۃ یسین پڑھنے لگے تو اس پر کیسی ملامت (۱) اور لعنت ہوتی ہے حالانکہ نزع کے وقت بھی سورۃ یسین کو اس واسطے پڑھا جاتا ہے کہ اس کی برکت سے مشکل آسان ہو اگر حیات ہے تو اچھا ہو جائے اور اگر موت آگئی ہے تو اس کی برکت سے آسانی سے خاتمہ ہو جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ شب کے وقت گھر میں چراغ گل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی کوئی مصیبت ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم تھا کہ "انا للہ" مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے لیکن ان کو اس واقعہ کے مصیبت ہونے میں تامل (۲) تھا۔ کیونکہ بظاہر یہ واقعہ ایک معمولی سی بات تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات مومن کو ناگوار ہو وہ مصیبت ہے اور چراغ کے گل ہونے سے جبکہ قصد (۳) نہ ہو ناگواری ہوتی ہے لہذا یہ بھی مصیبت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) کیسا بُرا بھلا کہا جاتا ہے (۲) تردد تھا (۳) جبکہ اس کو بجھانے کا ارادہ نہ ہو۔

کے ارشاد سے معلوم ہوا ہوگا کہ خدا نے اپنے بندوں کو ثواب عطا فرمانے کے کیسے معمولی معمولی طریقے رکھے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔

رحمت حق بہانہ می جوید

(اللہ تعالی کی رحمت ایک بہانہ ڈھونڈتی ہے)

"اناللہ" پڑھنے کا فائدہ

اور اس سے بڑھ کر لیجئے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز جیب میں رکھ کر بھول جائے اور اِدھر اُدھر اس کو تلاش کرے تو اس تلاش کرنے میں جو پریشانی اس کو ہوگی خدا تعالی اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور کفارہ سیئات فرمائیں گے۔ بالکل ایسی حالت ہے کہ جیسے ہمارا چہیتا بچہ ہو کہ اس کے چلنے، پھرنے، اٹھنے، بیٹھنے، حتی کہ گرنے پڑنے پر بھی ہم کو پیار آتا ہے اسی طرح خدا تعالی بھی ہم کو ہر فعل پر ثواب عطا فرماتے ہیں۔ مالم یکن معصیۃ وعنادا۔ (جبکہ وہ کسی گناہ اور دشمنی کی بناء پر نہ ہو) تو "اناللہ" جو سکھلایا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے سے تخفیف حزن ہو کیونکہ جب اس پڑھے گا تو اس مضمون کی یاد تازہ ہوگی کہ ہم خدا کی ملک ہیں وہ ہمارے مالک ہیں اور مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے مملوک میں جو چاہے تصرف کرے لہذا خدا تعالیٰ کو بھی اختیار ہے کہ ہم میں جو چاہیں تصرف کریں اور اس کا مخفف حزن (۱) ہونا ظاہر ہے دوسرے اس خیال کے تازہ ہونے سے خدا تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کی بدولت سخت سے سخت مصیبت بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔

---

(۱) اس کے پڑھنے سے غم میں کمی ہونا ظاہر ہے۔

از محبت تلخہا شیریں بود

(محبت کے سبب تلخیاں شیریں ہو جایا کرتی ہیں)

دیکھئے جن لوگوں کو امردوں (۱) یا بازاری عورتوں سے تعلق ہو جاتا ہے وہ ان کی پیچھے کیا کیا مصیبتیں برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ جوتیاں بھی مارے تو ان میں لطف آتا ہے اور فخر کرتا ہے مشہور ہے کہ ایک شخص بیوی پر توجہ نہ کرتا اور کسی بازاری عورت سے تعلق پیدا کر لیا تھا بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بازاری مجھ سے زیادہ حسین ہو لیکن تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ بالکل کالی بھجنگ ہے سخت تعجب ہوا اور اب وہ اس فکر میں لگی کہ آخر اس میلان کا سبب کیا ہے چھان بین سے معلوم ہوا کہ جب یہ شخص اس کے پاس جاتا ہے تو دور ہی سے دیکھ کر اس کو برا بھلا کہنا شروع کرتی ہے اور خوب جوتیوں سے خبر لیتی ہے۔ کہنے لگی کہ کیا مشکل کام ہے؟ آج سے میں بھی یہی وتیرہ اختیار کروں گی چنانچہ جب شوہر آیا تو اس نے دروازے ہی سے اس کی خبر لینی شروع کی اور خوب جوتیوں سے پیٹا کہنے لگا کہ بس اب میں کہیں نہیں جاؤں گا آج تک تجھ میں یہی کسر تھی سو اب وہ پوری ہو گئی۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ محبت میں اگر محبوب کی طرف سے کوئی مصیبت بھی آئے تو وہ موجب فرح ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ یہ محبت مجازی کیا ہوتی ہے اس محبت کی حقیقت یہ ہے کہ

عشقہائے کز پئے رنگے بود ، عشق نبود عاقبت ننگے بود

(وہ عشق جو فقط اچھے رنگ اور خوبصورتی کے باعث ہو وہ عشق نہیں ہوتا بلکہ آخرت کی بربادی

(۱) نابالغ بچوں

ہوتی ہے)

البتہ خدا تعالیٰ سے جو محبت ہو وہ قابل اعتبار ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

عشق بامردہ نباشد پائدار　　　　عشق را با حی و با قیوم دار

(مرنے والوں کے ساتھ عشق پائدار نہیں ہوسکتا عشق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرو جس کی صفت زندہ اور باقی رہنے والا ہے)

مصیبت کی حقیقت

تیسرے اس معرفت سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے اور کوئی محب محبوب کو تکلیف نہیں دیا کرتا لہذا ہم پر جو ظاہراً تکلیف آئی ہے یہ ایسی ہی ہے جیسے کہ ماں باپ کسی بچے کے دنبل (۱) میں جس نے اس کو بیحد تکلیف دے رکھی ہے یا آیندہ تکلیف پہونچانے کا اندیشہ ہو نشتر (۲) لگواتے ہیں کہ وہ ظاہراً تو تکلیف ہوتی ہے لیکن واقع میں کامل راحت کا سامان ہوتا ہے اس تکلیف کی وہ حالت ہوتی ہے کہ۔

طفل می لرزہ زنیش احتجام　　　　مادر مشفق ازاں غم شادکام

کہ بچہ تو ڈرتا ہے لرزتا ہے اور ماں خوش ہورہی ہے حتیٰ کہ نشتر لگانے والے کو انعام دیتے ہیں سو اگر کوئی اجنبی تعجب کرنے لگے اور کہے کہ یہ انعام کس بات کا دیا ہے اس شخص نے تو تکلیف پہونچائی ہے تو اس کو تو سزا دینی چاہئے تو ماں باپ کہیں گے کہ احمق یہ تکلیف نہیں یہ عین راحت ہے کیونکہ یہی تکلیف ہے جس کی بدولت لڑکے کی زندگی کی امید ہوگئی ورنہ یہ دنبل بڑھتا اور اس کا زہریلا مادہ تمام جسم میں

---

(۱) پھوڑے پھنسی میں (۲) چیرا لگواتے ہیں کہ فاسد مادہ نکل جائے۔

سرایت کرجاتا اور لڑکا ہلاک ہوجاتا۔ تو جب ماں باپ کا نشتر لگوانا اور اس کی تکلیف دینا بوجہ ذریعۂ راحت ہونیکے ناگوار نہیں ہے تو خدا تعالیٰ کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنے بندوں سے ہے پھر اگر وہ فقر و فاقہ ڈالدیں یا کسی اور مصیبت میں گرفتار کردیں تو اس کو نشتر کے قائم مقام کیوں نہیں سمجھا جاتا؟ تو علم سے یہ فائدے ہیں جو کہ مال سے نہیں ہوسکتے اور یہ فائدے تو دنیا میں ہوتے ہیں۔

تحصیل علم کا عظیم فائدہ

اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایمان پر خاتمہ ہو اور یہ علم کی بدولت ہوتا ہے جاہل آدمی کا خاتمہ اکثر خراب ہوتا ہے لیکن جاہل سے مراد وہ ہے کہ نہ تو خود پڑھے اور نہ اہل علم سے ملے نہ کسی سے پوچھے تو ایسے شخص کے ایمان کا بھروسہ نہیں۔ کیونکہ جب یہ شخص مرتا ہے تو شیطان اس کو یہ سمجھاتا ہے کہ تو اس وقت اپنی سب پیاری چیزوں سے چھوٹ رہا ہے اور خدا تعالیٰ تم کو ان چیزوں سے چھڑا رہے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے بغض (۱) ہوجاتا ہے اور کفر پر خاتمہ ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر علم ہو تو اس قسم کے اندیشے (۲) نہیں رہتے لیکن عالم سے خاص وہی مراد نہیں جو عربی ہی پڑھا ہو بلکہ یا پڑھا ہو یا علماء کی صحبت میں بیٹھ کر حاصل کرلیا ہو یا علماء سے پوچھ پوچھ کر قدرِ ضروری معلوم کرلیا ہو۔ غرض علم ایسی نعمت ہے مگر آج کل دنیا کو ایسا مقصود بنا رکھا ہے کہ بہت لوگ علماء کو ترقی کا مانع سمجھتے ہیں۔ اور ان کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور نمازیں بھی ان کی اکثر کسی وبا (۳) کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اگر وبا کی وجہ سے نہ بھی ہوں تب

---

(۱) خدا کو اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے (۲) خطرات نہیں رہتے (۳) اکثر جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تب ہی نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

بھی چونکہ دل میں رچی (۱) ہوئی نہیں ہوتی اس لئے وہ کچھ بھی مفید نہیں ہوتی۔

ذکرِ ظاہری کی حقیقت

ان کے پڑھنے کی بالکل وہ حالت ہوتی ہے جیسے کہ کسی نے ایک طوطے کو اَلَمۡ تر کیف تک یاد کرادیا تھا کہ وہ بے تکلف اس کو پڑھتا چلا جاتا تھا لیکن اگر اس پر بلی گرتی تو کیا اس وقت بھی اس کو کوئی سورۃ یاد رہ سکتی تھی کبھی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے دل میں کچھ بھی نہ تھا۔ کسی ظریف نے ایک طوطے کے مرنے کی تاریخ لکھی ہے اگرچہ اس نے بھی محض تمسخر کی بناء پر لکھی ہے لیکن بات نہایت گہری اور کام کی ہے۔

۱۲۳۰ھ میں کسی طوطے کا حادثہ ہوا تھا اس وقت یہ تاریخ لکھی گئی ہے لکھا ہے

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے　　رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربہ موت نے جو آدابا　　مضطرب ہو کے اور گھبرا کے
چونچ میں لیکے پانی کی کلھیا　　کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

ٹ کے عددت کی برابر ہیں (۲) تو تین ٹ کے عدد ۱۲سو ہوئے اور تین ی کے عدد ۳۰ کل ۱۲۳۰ ہوئے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ چونکہ طوطے کے محض زبان پر ذکر حق تھا اور دل میں اس کا کچھ اثر نہ تھا اس لئے اس مصیبت کے وقت کچھ بھی یاد نہ آیا اور ٹاں ٹاں کر کے خاتمہ ہو گیا۔

یاد رکھو! اگر محبت دین کی دل میں نہیں تو یہ سب لفافہ ہے کہ اوپر سے نہایت مکلف اور خوشنما لیکن اندر سے بالکل سادہ مشہور ہے کہ ایک میراثی کسی کے پاس لفافہ لے کر آیا دیکھا کہ اوپر سے بالکل سادہ ہے سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ حضور نہایت جلدی

(۱) دل سے نہیں پڑھتے (۲) ت کے عدد ۴۰۰ ہیں اس لئے ٹ کے بھی ۴۰۰ ہوئے اور ی کے عدد ۱۰ ہیں۔

میں خط دیا ہے لکھنے کا موقع نہیں تھا۔ مکتوب الیہ کو خیال ہوا کہ اندر مضمون ہوگا کھول کر دیکھا تو خط بھی بالکل سادہ۔ پوچھا! کہ بھائی اس کا کیا سبب؟ کہنے لگا حضور میں عرض کر چکا ہوں کہ بہت ہی جلدی میں خط دیا ہے لکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہم لوگوں میں اکثر کی تو بعینہٖ یہی حالت ہے کہ اندر باہر دونوں جانب سے محض کورے اور جو لوگ کچھ ہیں بھی تو محض ظاہر ہی مکلّف ہے اندر خاک بھی نہیں۔ حالانکہ ضرورت اس کی ہے کہ چاہے لفافہ باہر سے زیادہ مکلّف نہ ہو لیکن اندر مضمون سے پُر ہو۔

علم حقیقی

اسی طرح ہم اگر بہت سی نفلیں نہ پڑھیں، بہت ذکر و شغل نہ کریں، صوفیہ کی صورت نہ بنائیں، تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن دل محبت الٰہی سے بھرا ہوا ہونا چاہئے۔ اور علم حقیقی یہی ہے جس سے دولت محبت دل میں ہو اسی علم کو حضرت علیؓ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ۔

رضینا قسمة الجبار فینا　　　لنا علم وللجهال مال

(ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے راضی اور بہت خوش ہیں جو ہمارے اندر جاری فرمائی کہ ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو مال) تو فخر کی چیز اگر ہو سکتی ہے تو یہ علم ہو سکتا ہے نہ کہ جہل۔

عالم بے عمل بھی جاہل سے بہتر ہے

مگر آج وہ حالت ہے کہ جہل پر بھی فخر کیا جاتا ہے کوئی ان سے پوچھے کہ بھائی تم کسی طرح اچھے اور قابل فخر ہو گئے بلکہ عالم اگر بد عمل بھی ہے تو وہ تم سے بدرجہا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ مریض ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو نسخہ بھی معلوم ہے۔ جب

ذرا توجہ کرے گا علاج کر لے گا اور تم سراپا مرض ہو لیکن نہ مرض کی خبر نہ نسخہ پر اطلاع۔ غرض کسی حال میں جہل کوئی فخر کی چیز نہیں۔ مگر بعضے جہال اس بناء پر فخر کرتے ہیں کہ اہل علم کے متعلق وعیدوں سے بری ہیں حالانکہ اول تو اہل علم کے متعلق جو وعیدیں ہیں ان میں علم سے خاص اصطلاحی مولویت ہی نہیں بلکہ مطلقاً جاننا مراد ہے سو ایسا علم تھوڑا بہت ہر شخص کو ہوتا ہے دوسرے اگر علم نہ بھی ہو تب بھی الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم نہ ہونے کا الزام اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ علم عمل کا موقوف علیہ (۱) ہے اور موقوف علیہ زیادہ مہتم بالشان اور باعتبار اہتمام کے زیادہ افضل ہوا کرتا ہے۔

ایک اہم مرض

اب میں اس کو بیان کرتا ہوں کہ آیت کے خطاب سے جہلاء کیوں پاک نہیں ہو سکتے اور اس کے سمجھنے کے لئے الزام کی حقیقت پر غور کرنیکی ضرورت ہے جس کو میں اس آیت سے استنباط کرتا ہوں لیکن یہ استنباط قیاس وظن نہیں ہے بلکہ دلالۃ النص سے ثابت ہوتا ہے۔ جو کہ قیاس قطعی (۲) ہے۔ حاصل اس الزام کا جو کہ آیت میں مقصود ہے اور جو کہ عالم جاہل سب میں پایا جاتا ہے اور جو کہ نہایت زہریلا مرض ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے بلکہ دوسرے کے عیبوں کو دیکھا کرتے ہیں ہم شب وروز دوسروں کا تذکرہ کرتے ہیں ان کے عیب نکالتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ

---

(۱) عمل کرنا علم پر موقوف ہے (۲) یہ اصول فقہ کی ایک اصطلاح ہے کہ شریعت کے احکام قرآن وسنت سے ثابت ہوتے ہیں جن کو نص کہتے ہیں۔ کبھی تو قرآن وسنت کے صریح معنی سے وہ حکم نکلتا ہے اور کبھی دلالتاً یا اشارۃً وہ حکم معلوم ہوتا ہے اس کو قیاس قطعی کہتے ہیں جو کہ حجت ہے۔

ہم میں کیا کیا عیوب موجود ہیں؟ اور یہ عیوب دوسروں کے عیوب سے بڑھ کر ہیں یا نہیں۔ کیونکہ امر کرنا لوگوں کو نیک کام کا موقوف اس پر ہے کہ دوسروں کی کوتاہیوں پر نظر ہو پھر اس کے ساتھ نسیانِ نفس(۱) کو ملا کر دیکھا جائے تو حاصل یہ نکلے گا کہ تم دوسروں کے عیوب کو تو دیکھتے ہو اور اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے۔ یہ مرض ایسا رچا ہے کہ اکثر مواقع پر اس کا زبان سے بھی اظہار ہوتا ہے۔

وبائی امراض کا سببِ اصلی

چنانچہ جب کبھی امراض وبائیہ پھیلتے ہیں تو اکثر کو تو اس کا احساس بھی نہیں کہ ان مصائب میں معاصی کا کچھ دخل ہے بلکہ اس کو ہوا کے فساد کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کا تو ذہن بھی یہاں تک نہیں پہونچتا کہ گناہوں کو بھی اس میں کوئی دخل ہے۔ حالانکہ یہ ان کی سخت غلطی ہے ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ آخر ہوا میں فساد کیوں آیا؟ اگر کہا جائے کہ شدتِ گرمی یا سردی کے سبب ایسا ہوا تو میں کہوں گا کہ گرمی یا سردی میں اس قدر شدت کیوں ہوئی لیکن یہ خطاب جس کا انتہا آگے خدا کی مشیت پر ہوگا مسلمانوں ہی سے ہے ملحدین سے نہیں اگرچہ ہمارے پاس جواب ان کے اعتراضات کے موجود ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہم ان کے جواب دینے سے بھی عاجز نہیں مگر یہ اس کا موقع نہیں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں راز افتد
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست(۲)

---

(۱) نفس کی بھول (۲) راز سے پردہ اُٹھانے میں مصلحت نہیں ہے ورنہ رندوں کی مجلس میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی ان کو خبر نہیں۔

غرض مسلمان عوام الناس جس چیز کو بھی سبب بتلائیں گے ہم اسی کی بابت پوچھیں گے کہ آخر یہ کیوں ہوا کسی حد پر پہنچ کر ان کو یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ خدا کے حکم سے ہوا اس وقت کہیں گے کہ اس کا کیا سبب؟ کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت یہ حکم کیوں فرمایا؟ جس سے یہ مصیبت پیدا ہوگئی؟ اور پھر خود ہی قرآن سے ہم جواب میں کہیں گے کہ سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تم سے گناہوں کے سبب ناراض ہوئے اور مصیبت بھیجی "ماا صابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر" (۱) یعنی (تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوتوں کی بدولت پہنچتی ہے اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی فرماتے ہیں)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کو پھانسی دیدی جائے اور اس کی موت کا سبب پوچھا جائے تو ظاہر بین ہر شخص یہی کہے گا کہ پھانسی کی رسی گلے میں اٹک گئی اس سے مرگیا۔ مگر ایک عقلمند اس پر بس نہ کرے گا بلکہ وہ پوچھے گا کہ رسی کیوں گلے میں لٹکی؟ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ایک شخص نے لٹکا دی، تو وہ پوچھے گا کہ اس نے کیوں لٹکا دی اس پر کہا جائے گا کہ حاکم نے ایسا حکم کیا تھا، تو علت اخیر حاکم کا حکم نکلا۔ لیکن ابھی یہ سوال باقی ہے کہ حاکم نے ایسا حکم کیوں دیا اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس شخص نے کسی کو قتل کیا تھا یا ڈکیتی کا مرتکب ہوا تھا اس جواب کے بعد پھانسی پر لٹکنے کا اصلی سبب کھل جاتا ہے تو ایسے ہی وباء خدا کے حکم سے آئی لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہمارے جرائم کے سبب سے ہوا اسی کو فرماتے ہیں کہ "فلما اسفونا انتقمنا منھم" (۲) (جب ہمیں ان لوگوں نے دکھ دیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا) "جزاء الاعمال" میرا ایک رسالہ ہے اس میں اس بحث کو مبسوط (۳) لکھا گیا ہے اور

---

(۱) الشوریٰ: ۳۰ (۲) زخرف: ۵۵ (۳) تفصیل سے لکھدیا ہے۔

بحمد اللہ ثابت کردیا گیا ہے کہ ہم کو جو کچھ ابتلاء ہوتا ہے ہمارے اعمال کے سبب ہوتا ہے تو عوام الناس کا مبلغ پر تو محض اسباب طبعیہ ہیں لیکن جو قدرے فہیم اور دیندار ہیں وہ اگران سب امراض کو خدا تعالیٰ کے حکم سے مانتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ گناہوں کے سبب سے یہ حکم ہوا لیکن ہمیشہ دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں۔

دوسروں کے عیوب پر نظر نہ کرو اپنے عیوب دیکھو

اوپر اس کا ذکر تھا کہ دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے اکثر لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ لوگوں زنا اور قمار میں مبتلا دیکھ کر کہا کرتے ہیں کہ اسی سبب تو قحط ٹوٹ رہا ہے ۔مگر کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اس نے اپنے اعمال کو اس کا سبب بتلایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اس کی ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی، فرمایا کہ قحط کے دور ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ مجھ کو شہر سے نکال دو کیوں کہ میرے گناہوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں مبتلاء ہو رہے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ صرف محض زبان سے کہنے پر بس کیا ہو۔ بلکہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر چلے بھی گئے ۔ایک بزرگ کہتے تھے کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ میرے گناہوں کے سبب یہ سب لوگ ہلاک نہ ہو جائیں یہی امراض ہیں جن کا علاج بزرگوں نے کیا ہے کہتے ہیں

یکے آنکہ غیر بدبین مباش
دوم آنکہ خویش خودبین مباش

(ایک تو یہ غیر کو بُرا مت سمجھو اور دوسرے یہ کہ خود کو سب سے بہتر نہ سمجھو)

یہاں رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا۔

امام غزالیؒ کی نصیحت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اے عزیز! تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے لیکن اپنے سانپ اور بچھو کی خبر نہیں لیتا۔ جو کوئی دم (۱) میں تجھ کو فنا کئے ڈالتے ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ۔ اور بے ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی ضرورت شرعی نہ ہو اور ایسے افعال جو شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لایعنی کہلاتے ہیں حدیث میں ان کے ترک کا امر ہے۔

بے کار باتوں سے احتراز

اور بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام فرمایا ہے ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ کسی شخص کے مکان پر گئے اور دروازے پر جا کر آواز دی گھر میں سے جواب آیا کہ وہ نہیں ہیں، انہوں نے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں؟ جواب آیا معلوم نہیں۔ لکھا ہے کہ اپنے اس سوال پر کہ "کہاں گئے ہیں" تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایک لایعنی سوال کیوں کیا؟

(۱) چند لمحوں میں۔

نگاہوں کی حفاظت

مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد مولانا فریدالدین صاحبؒ کی نسبت سنا ہے کہ وہ بہت ہی کم بولتے تھے اور بلا کسی شدید ضرورت کے نگاہ کبھی اوپر نہ اُٹھاتے تھے حتیٰ کہ اگر ان سے کوئی بات پوچھتا تو زبان سے جواب دیتے لیکن منہ نہ اُٹھاتے تھے۔ صرف اس لئے کہ بلاضرورت کیوں نگاہ کو صرف کیا جائے۔ نیز قرآن پاک میں حکم بھی ہے "قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم" (۱) (آپ مؤمنین سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو جھکا کر چلا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں) دوسری جگہ ارشاد ہے "الذین یمشون علی الارض ھوناً" یعنی "غاضین ابصارھم" (جو لوگ زمین میں اپنی نگاہیں جھکا کر چلتے ہیں)

بنی آدم کو بہکانے کی چار سمتیں

اہل لطائف نے لکھا ہے کہ شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی چار سمتیں بیان کی ہیں "ثم لاتینھم من بین ایدیھم وعن خلفھم وعن ایمانھم ومن شمائلھم" (۲) (پھر یقیناً میں ان کے آگے پیچھے دائیں اور بائیں چاروں طرف سے آؤں گا) اور دو سمتوں کو بیان نہیں کیا یعنی فوق اور تحت اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سمتیں محفوظ ہیں لیکن اوپر سے مراد دہلی کے چاندنی چوک کا کوٹھا نہیں ہے بلکہ آسمان مراد ہے لیکن ہر وقت اوپر دیکھنا بہت دشوار تھا اس لئے سب سے اسلم سمت تحت (۳)

(۱) النور: ۳۰ (۲) الاعراف: ۱۷ (۳) سب سے محفوظ سمت نیچے کی ہے۔

ہے باقی چار سمتیں قدام، خلف، یمین، شمال (۱)۔ ان کی یہ حالت ہے کہ ان کی طرف دیکھنے میں اکثر انسان فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی سبب سے بعض اکابر نے یہاں تک کیا ہے کہ شہر کو چھوڑ کر جنگل میں بود و باش (۲) اختیار کر لی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے۔

بزرگے دیدم اندر کوہسارے نشستہ از جہاں در کنج غارے

چرا گفتم نہ شہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل برکشائی

بگفت آنجا پریرویان لغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

(میں نے ایک بزرگ کو ایک جنگل میں دیکھا کہ وہ دنیا کو چھوڑ کر ایک غار کے گوشے میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے ان سے کہا کہ آپ شہر میں کیوں نہیں آتے کہ کم از کم ایک بار تو لوگوں کے دلوں سے گرہیں کھولیں یعنی لوگ آپ کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھائیں انہوں نے جواب دیا وہاں پری رو اپنے دام میں پھانس لیتے ہیں اس لئے کہ جب کیچڑ زیادہ ہو جاتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے)۔

اسی حالت کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

زاہد نداشت تاب جمال پریرخاں کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

(زاہد پری رخ والوں کے جمال کی تاب نہیں رکھتا تو تنہائی اختیار کر لیتا ہے، اور خوف خدا کا بہانہ ڈھونڈ لیتا ہے)۔

بہرحال ایسا ہوتا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ ان چاروں سمتوں کی جانب دیکھنا بہت کم کر دیا جائے اور اوپر کے دیکھنے میں گرنے کا اندیشہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پس تجربہ عقل نقل سب سے معلوم ہو گیا کہ حفاظت اور امن کی سمت سمتِ تحت ہے

---

(۱) باقی چار سمتیں آگے پیچھے دائیں بائیں (۲) جنگل میں رہنا سہنا اختیار کر لیا۔

بے کار سوالات سے احتراز

اور جب بزرگوں نے لایعنی امور سے اس قدر پرہیز کیا ہے اور حدیث نے بھی ”من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنی“ (انسان کا اچھا اسلام یہ ہے کہ وہ بے فائدہ اور فضول قول و عمل ترک کردے) کا حکم کیا ہے اس لئے تفتیش عیوب کے گناہ ہونے میں یہ قید لگائی ہے کہ بے ضرورت ہو اور دوسروں کی عیب جوئی اگر گناہ بھی نہ ہوتی تو لایعنی تو ضرور تھی اس سے بچنا بھی ضروری ہے تو جب کہ وہ گناہ بھی ہے تو اس سے بچنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے بعض احمقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تمام وقت فضولیات ہی میں برباد کرتے ہیں مثلاً اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں آپ کی کیا تحقیق ہے کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ تجھ کو حضرت معاویہؓ کے معاملہ کی کیا پڑی تو اپنا معاملہ درست کر۔

مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی فرنگی محلی کے پاس ایک رنگریز آیا کہنے لگا کہ حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ میاں تم جا کر کپڑے رنگو جب تمہارے پاس حضرت معاویہؓ کا مقدمہ آئے گا تو لینے سے انکار کر دینا اور کہہ دینا کہ میں نے اس کی تحقیق کی تھی مگر مجھے کسی نے بتلائی نہیں۔ ایک اور صاحب ایک مولوی صاحب کے پاس حضور علیہ ﷺ کے والدین کی بابت دریافت کرتے ہوئے آئے کہ وہ ایماندار تھے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ تم کو نماز کے فرائض معلوم ہیں یا نہیں کہنے لگا کہ نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ غضب کی بات ہے کہ نماز جس کا سوال سب سے اول قیامت میں ہوگا اس کے وہ فرائض جن سے دن میں پانچ مرتبہ کام پڑتا ہے اور جن کے معلوم نہ ہونے سے احتمال ہے کہ وہ فوت ہو جائیں تو نماز ہی نہ ہو ان کی تم کو خبر نہیں اور حضور ﷺ

کے والدین کا ایمان جس کی بابت یقیناً ہم سے نہ قیامت میں سوال ہوگا نہ دنیا کا کوئی کام اس علم پر موقوف اس کی تحقیق کی جاتی ہے صاحبو! اگر کوئی بُرا ہے تو تم کو کیا غرض اور اچھا ہے تو تم کو کیا مطلب، تمہیں اپنی اچھائی برائی کی فکر ہونی چاہیے۔

تجسس کی ممانعت

باقی ہر شخص کی خبر رکھنا یا اس کا خیال ہونا یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے یا اس بندے کا کام ہے جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کردیا ہو کہ اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر علم حالات اصلاح ممکن نہیں ہے اور اسی وجہ سے میں نے بلاضرورت کی قید لگادی تھی اس لئے کہ مثلاً حاکم وقت جب تک تفتیش حالات نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اسقدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی نہ سن سکے آخر آپ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے حضرت عمرؓ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے لیکن چونکہ جانتے تھے کہ خلاف شرع حضرت عمرؓ کو ہرگز غصہ نہ آئے گا اسلئے اس شخص نے جرات کرکے عرض کیا کہ، اے امیر المومنین! ہم لوگوں نے صرف ایک ہی گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کئے ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں چلے آئے حالانکہ قرآن میں صاف حکم ہے "لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا" (۱) (بلا اجازت

(۱) النور: ۲۷۔

اپنے گھر کے علاوہ کسی کے گھر میں مت جاؤ اور جب جاؤ تو پہلے گھر والوں کو سلام کرو۔ دوسرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے "لا تجسسوا" (۱) تیسرا یہ کہ آپ مکان کی پشت پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے "لیس البربان تاتوا البیوت من ظھورھا" (۲) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کرلو۔ آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا آج کے مدعیان آزادی میں کہ بہائم کی طرح نہ نماز کے نہ روزے کے کھالیا اور ہوا پرستی (۳) میں عمر گزار دی۔

آج کل کی آزادی

صاحبو! واللہ یہ آزادی نہیں یہ نفس کی شرارت اور اتباع (۴) ہوا اور مطلق العنانی (۵) ہے اور یہ آزادی سانڈ کی سی آزادی ہے کہ جس کھیت میں چاہا منہ ماردیا جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کرلیا تو کیا کوئی آزاد صاحب سانڈ صاحب کو پسند کرتے ہیں اگر اس کا جواب "نعم" (۶) ہے تو آج سے آپ بھی ہماری طرف سے یہی لقب لیجئے اور اگر "لا" (۷) میں جواب ہے تو پھر ذرا مہربانی کرکے اپنے اور سانڈ میں کچھ فرق بتلایئے۔

تفتیش حالات کی اجازت کس کو ہے

اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگران ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے یا شوہر ہو کہ اس کو بھی بیوی کے حالات کی تفتیش

---

(۱) الحجرات: ۱۲ (۲) البقرۃ: ۱۸۹ (۳) خواہشات نفس کی تکمیل میں (۴) خواہشات نفس کی پیروی (۵) اپنی من مانی کرنا ہے (۶) جواب ہاں میں ہے (۷) جواب نہیں میں ہے۔

کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے متعلق اس کی اصلاح ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو کہ اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ کچھ بھی نہ کر سکے گا مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو اور اگر تحقیر کیلئے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی کیونکہ انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے)

عیب گوئی اور عیب جوئی کی حقیقت

اس استثنا کے بعد جو لگ رہ گئے وہ دیکھ لیں کہ عیب جوئی اور عیب گوئی (۱) سے ان کا کیا مقصود ہوتا ہے آیا یہ کہ اس شخص میں سے یہ عیب جاتا رہے یا محض بدنام کرنا اگر پہلا امر مقصود ہے تو کیا وجہ کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے، کیا کبھی کسی شخص نے صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے، اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا، ہرگز نہیں! ہم لوگوں کی مجالس میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں شکایتیں ہوتی ہیں کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے، کچھ بھی نہیں تو یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے جس کی بُرائی اوپر بیان ہو چکی۔

رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کی احتیاط

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کبھی شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔

---

(۱) کسی کا عیب ڈھونڈنے اور بیان کرنے سے۔

شیخ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئی چو بگذشت بر عارف جنگ جوئے

گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(نیک خصلت بہلول نے کیا اچھا کہا تھا کہ جب وہ ایک عارف سے ملا جو ہر وقت لوگوں سے جھگڑا تلاش کیا کرتا تھا کہ اگر یہ مدعی دوست کو پہچانتا تو ہر وقت دشمنوں سے جھگڑا نہ تلاش کیا کرتا)۔

عاشق کا حال

دیکھو اگر کسی کا محبوب بغل میں بیٹھا باتیں کر رہا ہو اس حالت میں ایک شخص آ کر اس عاشق کو ماں کی سڑی ہوئی گالی دے تو کیا عاشق کی طبیعت اس کو گوارا کرے گی کہ محبوب کو چھوڑ کر دشمن کے انتقام لینے کے درپے ہو جائے اور اگر اس نے ایسا کیا تو کہا جائے گا کہ اس کا عشق نہایت خام اور ناتمام ہے اسی طرح سمجھدار لوگ ایسے موقع پر سمجھ جاتے ہیں کہ شیطان جو ہمارا دشمن ہے وہ اس شخص کو بہلا کر لایا ہے کہ اس کو دوسری طرف مشغول کر کے بہکائے اس لئے وہ پروا بھی نہیں کرتے اور محبوب کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جتنی اس میں کمی ہوتی ہے اسی قدر ان میں بھی کمی ہوتی ہے۔

بزرگوں کی شانیں

ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ بزرگوں کی شان اور ان کے حالات کس طرح مختلف ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا فلاح مسجد میں تین بزرگ بیٹھے ہیں ان کے پاس جاؤ معلوم ہو جائے گا کہ بزرگوں کے حالات میں کیا فرق ہے،

چنانچہ وہ شخص گیا اور جا کر دیکھا کہ کوئی بے ادب آیا اور ان بزرگوں میں سے اول ایک کے ایک چپت رسید (۱) کیا انہوں نے اٹھ کر اتنے ہی زور سے ایک چپت اس کے بھی مار دیا اور پھر بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اس کے بعد وہ دوسرے بزرگ کی طرف متوجہ ہوا اور ایک چپت ان کے بھی مار دیا وہ بولے بھی نہیں اور اپنے کام میں لگے رہے اس کے بعد تیسرے کی طرف متوجہ ہوا اور ایک چپت ان کے مارا انہوں نے اٹھ کر فوراً اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو دبانا اور پیار کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ تمہارے ہاتھ میں بہت چوٹ لگی ہوگی یہاں سے یہ تماشا دیکھ ان بزرگ کے پاس گیا اور تمام ماجرا بیان کیا کہنے لگے کہ بس اتنا ہی فرق ان تینوں کی حالات اور شان میں بھی ہے تو دیکھ لیجئے کہ جو غیر صابر تھے اور انتقام لئے بغیر نہ رہ سکے وہ بھی لایعنی کے مرتکب نہیں ہوئے یعنی مارنے والے سے یہ سوال تک بھی نہیں کیا کہ تو نے ایسی حرکت کیوں کی بلکہ "جزا سیئة سیئة بمثلها" (۲) پر عمل کر کے ایک چپت خود بھی اس کو مار دیا پھر اپنے کام میں لگ گئے آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیا قیامت قائم ہوتی ہے بلکہ بلاوجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں۔

حکایت

میرے ایک دوست مولوی اسحاق علی صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ چلا جا رہا تھا سامنے سے ایک شخص نظر پڑے مجھے خیال ہوا کہ یہ میرے ملنے والوں میں سے کوئی شخص ہیں اس خیال کی بنا پر میں نے نہایت تپاک سے ان کو سلام کیا قریب آئے تو معلوم ہوا یہ کوئی دوسرے صاحب ہیں اپنے دھوکہ کھانے پر میرے منہ سے

(۱) تھپڑ مارا (۲) برائی کی سزا اس برائی کے بقدر ہے۔

لاحول نکل گئی بس وہ شخص سر ہو گیا کہ تم نے مجھ کو شیطان سمجھا اس لئے لاحول پڑھی۔

اب یہ کتنا ہی سمجھاتے ہیں خوشامد کرتے ہیں وہ مانتا ہی نہیں بڑی دور تک ان کے پیچھے پیچھے چلا آخر شاید کسی گلی میں نظر بچا کر گھس کر جلدی سے نکل گئے جب پیچھا چھٹا۔

غرض یہ حالت ہے ہم لوگوں کے دینداروں کی حالانکہ پہلے لوگوں نے اس قدر احتیاط کی ہے کہ فضول باتوں سے بھی بچے ہیں۔

عیب گوئی کا نقصان

ایک خرابی اور مضرت عیب جوئی اور عیب گوئی میں یہ ہے کہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جارہی ہے اس کو خبر نہ ہو اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برا نہ کہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات پشتہا پشت (۱) تک چلتی ہیں اور بناء (۲) ان کی محض ذرا سی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا حالانکہ اگر کہہ بھی دیا تو کیا عزت میں فرق آ گیا۔

ایک بزرگ کی حقیقت شناسی

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے چند مرید ساتھ راستے میں ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص بڑا ٹھگ ہے ایک مرید کو اس پر بہت غصہ آیا اور اس شخص کے مارنے کو چلا۔ پیر صاحب نے روکا اور گھر پر لے گئے اور بہت سے لفافے جو ان کے نام آئے ہوئے تھے اس کے سامنے ڈال دیئے ان لفافوں

---

(۱) کئی نسلوں میں چلتی ہیں (۲) اس کی بنیاد صرف ایک چھوٹی سے بات ہے۔

میں بڑے بڑے القاب وآداب لکھے ہوئے تھے کسی میں قبلہ کونین، کعبہ دارین، کسی میں رہنمائے جہاں وغیرہ وغیرہ اور فرمایا کہ بھائی میں نہ تو اس قدر بُرا ہوں جتنا اس شخص نے ظاہر کیا اور نہ اس قدر اچھا ہوں جتنا ان لوگوں نے لکھا پس اگر خلاف واقع کہنے کی وجہ سے اس شخص پر غصہ آیا تو ان لوگوں پر بھی تو غصہ آنا چاہیے اور ان کا منہ بھی تو بند کرنا چاہیے جو کہ جنیدِ عصر اور فریدِ وقت لکھتے ہیں۔

بزرگوں کا تحمل

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ کو ایک شخص نے آکر برا بھلا کہنا شروع کیا مولانا چونکہ بڑے مرتبے کے شخص تھے طالب علموں کو سخت غصہ آیا اور اس کے مارنے کو اٹھے، مولانا نے فرمایا کہ بھائی سب باتیں جھوٹ نہیں کہتا کچھ تو سچ بھی ہے تم اسی کو دیکھو۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کو ایک شخص نے بُرا کہا تو آپ نے اس کو ہدیہ بھیجا۔ اور امام صاحبؒ کی نسبت لکھا ہے کہ آپ کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی غیبت میں زیادہ مصلحت ہے تا کہ میری نیکیاں میری ماں ہی کے پاس رہیں غیروں کے پاس تو نہ جائیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے یا فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ بڑے عقلمند ہیں ہم لوگوں کی نیکیاں تو وہ لے لیتے ہیں یعنی چونکہ ہم ان کی بابت کبھی کچھ کہہ دیتے ہیں اور وہ اپنی نیکیاں کسی کو نہیں دیتے یعنی چونکہ وہ کسی کی غیبت نہیں کرتے۔

صاحبو! غور کرو کہ ایک یہ اسلاف ہیں جن کے وہ حالات ہیں ایک ہم اخلاف ہیں کہ جن کے یہ حالات ہیں خوب کہا ہے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلافست وجنگ

(میں نے سنا ہے کہ خدا کے بندے دشمنوں کے دل کو کبھی نہیں دُکھاتے تمہیں یہ مقام کس طرح حاصل ہوسکتا ہے جب کہ تم دوستوں سے بھی ہر وقت جھگڑتے رہتے ہو۔)

نااتفاقی کا اصل سبب

آج کل بڑے زور سے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں اتفاق رہے اس کے لئے تقریریں ہوتی ہیں اخباروں میں تحریری مضامین بھیجے جاتے ہیں جلسے کئے جاتے ہیں لیکن جو نااتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نااتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا جس کو چاہا کہہ دیا۔ یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں اور پھر غضب یہ کہ بے حیا کبھی تھکتی بھی نہیں۔ دوسرے اعضاء مثلاً سر، آنکھ، کان، ہاتھ، پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت بھی تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اس لئے حدیث حد میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کر کے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بھی بگڑ جائیں گے

عیب جوئی اور عیب گوئی کرنے والے افراد

غرض عیب گوئی اور عیب جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو

خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ خصوصیات کے ساتھ اسمیں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف سے فراغت ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا یعنی ذکر اللہ اس کو کرتے نہیں اس لئے دن رات کے چوبیس گھنٹے پورے ہونے کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ چند ایسے ہی ایسوں کا مجمع ہوا اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے (۱) جائیں بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام فارغین سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج، گنجفہ، نرد وغیرہ میں مشغول ہو کر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس نے ان کو سوائے مجلس آرائی اور عیب گوئی کے اکثر اور کوئی شغل ہی نہیں ملتا۔

شطرنج کی برائی

لیکن اس سے یہ میرا مقصود نہیں کہ عیب جوئی سے بچنے کے لئے شطرنج یا گنجفہ کی اجازت دیتا ہوں ہرگز نہیں۔ ان دونوں کی حالت بول و براز کی (۲) سی ہے کہ براز بول سے زیادہ خراب اور بول و براز سے زیادہ، دوسرے شطرنج وغیرہ میں اکثر اس قدر انہماک ہوتا ہے کہ اس کی بدولت تمام دنیا و دین کے کاروبار چھوٹ جاتے ہیں میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک شخص شطرنج کھیل رہے تھے اور ان کا لڑکا بیمار پڑا ہوا تھا اثناء شغل میں کسی نے آکر اطلاع کی کہ لڑکے کی حالت بہت خراب ہے کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور پھر شطرنج میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر میں کسی نے آکر کہا کہ وہ مر رہا ہے کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں اور یہ کہہ کر پھر مشغول

(۱) بیکار باتیں کی جائیں (۲) پیشاب پاخانے کی سی ہے۔

ہو گئے اس کے بعد کسی نے آکر کہا کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا کہنے لگے کہ اچھا آتے ہیں یہ سوال و جواب سب کچھ ہو لیا لیکن ان کو اٹھنے کی توفیق نہ ہوئی جب شطرنج کی بازی ختم ہوئی تو آپ کی آنکھیں کھلیں اور ہوش آیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا فرمایئے جس کھیل کا انجام یہ ہوا اسکی اجازت کیسے ہو سکتی ہے سو اجازت مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ عوام تو صریح گناہوں میں مشغول ہو کر غیبت سے بعض اوقات بچ بھی جاتے ہیں۔

آج کل کی دینداری

مگر مدعیان دینداری ظاہری تقدس کے پردے میں اس سے بڑھ کر گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں پس اس بناء پر ہماری وہ حالت ہے۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل
واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید
واز درونت ننگ میدارد یزید

(ظاہر تو کافر کی قبر کی طرح آراستہ و پیراستہ اور اندر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوتا ہے باہر کی حالت ایسی بنا رکھی ہے حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر ہی اعتراض کرنے لگے اور اندر کی حالت ایسی ہے کہ اس کو دیکھ کر یزید کو بھی شرم آنے لگی)

صرف وضع کی درستی اور ظاہر کی آراستگی کا نام آج کل دینداری رکھ لیا ہے باقی اعمال و اخلاق وہ چاہے کیسے بھی ہوں

ظاہری درستگی کا فائدہ

اور عوام کی حالت پر ایک اعتبار سے اس سے بھی زیادہ افسوس ہے کہ ان کا ظاہر بھی درست نہیں دینداروں میں اگر ایک کمی ہے تو ان میں دو ہیں اور یاد رکھو کہ ظاہر کی درستی بھی بے کار نہیں ہے اس کا بھی باطن پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے حضرت موسیٰؑ جب

ساحرانِ فرعون کے مقابلے کے لئے تشریف لے گئے تو مقابلے کے بعد ساحر تو سب مسلمان ہو گئے تھے لیکن فرعون نہیں ہوا تھا حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اس کا سبب پوچھا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ ساحرانِ (۱) فرعون اس وقت تمہارا لباس پہن کر آئے تھے ہماری رحمت نے گوارانہ کیا کہ تمہارے ہم لباس دوزخ میں جائیں اس لئے ہم نے ان کو ایمان کی توفیق دے دی اور فرعون محروم رہا۔

ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ ظاہر کی درستی بھی اچھی چیز ہے مگر محض اس کی درستی پر اکتفانہ کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ باطن کو بھی درست وآراستہ بنانے کی فکر ہونی چاہیے اور جو لوگ مقتدا ہیں وہ اس کی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلائق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

غیبت کی بابت اکابرین کا طرزِ عمل

حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پسِ پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ حضرت میر درد دہلویؒ کو سماع سننے سے کچھ رغبت تھی ان کی نسبت حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے آکر کسی نے کہا کہ حضرت میر درد سماع

(۱) فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر۔

سنتے ہیں آپ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا بیمار ہے مرزا صاحب کے اس مقولے سے اکثر جاہلوں نے یہ سمجھا کہ مرزا صاحب حسن پرست تھے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط اور بہتان ہے اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافت مزاج کے بدصورت آدمی کو دیکھ نہ سکتے تھے اور مرزا صاحب نے بچپن کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یعنی مرزا صاحب کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں آپ کسی بدصورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے حالانکہ اس وقت آپ کو خوب صورتی بدصورتی کا ادراک بھی تھا لیکن لطافت روح کے باعث آپ کو بدصورت آدمی سے اسی وقت تکلیف ہوتی تھی اور اسکا اثر بڑے ہو کر بھی تھا غرض اس قسم کے حضرات ایسے لوگوں کا منہ اسی وقت بند کر دیتے ہیں اور جو لوگ احتیاط نہیں کرتے وہ ان آنے والوں کی بدولت اکثر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد بے گماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

(جو شخص تمہارے سامنے آکر دوسروں کے عیب پیش کر کے شمار کراتا ہے یقیناً وہ تمہارے عیوب کو بھی دوسروں کے سامنے جا کر گنائے گا۔)

اس لئے میں نے کہا تھا کہ مقتدا لوگ باستثناء محتاطین و متقین کے زیادہ اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہے مرض اب میں اس مضمون کا مدلولِ آیت ہونا ظاہر کرتا ہوں مگر اس کے لئے چند مقدموں کی ضرورت ہے اول ان کو سمجھ لیا جائے اس کے بعد با آسانی یہ سمجھ میں آجائے گا۔

بعض علماء کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

اول مقدمہ یہ ہے کہ نیک بات بتلانا ہر وقت طاعت ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے اور یہی وہ غلطی ہے جو کہ اس آیت کے غلط سمجھنے کی بدولت علماء کو ہوئی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض نے وعظ و تلقین کو بالکل ہی ترک کر دیا جب ان سے سبب پوچھا گیا تو یہ جواب دیا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے

"اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتٰب۔"(۱)

اور اس جواب کے بعد اپنے کو بالکل بری الذمہ سمجھ لیا مگر یہ دھوکہ ہے اور سبب اس دھوکہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے سمجھا کہ قرآن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود عمل نہ کرو تو دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو حالانکہ یہ مقدمہ بالکل غلط ہے کیونکہ امر بالمعروف(۲) طاعت ہے اور اس طاعت کی شرائط میں یہ شرط کہیں نہیں کہ اگر خود بھی عمل کرے تو طاعت ہوگی ورنہ نہیں ہاں اپنا عمل نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے جو کہ قابل ترک ہے لیکن امر بالمعروف کے ساتھ اس کو شرطیت وغیرہ کا کچھ تعلق نہیں (۳) اور یہ کسی حدیث سے یا کسی مجتہد کے قول سے ثابت نہیں اگر گناہ سے نہ بچے تو دوسری طاعت بھی طاعت (۴) نہ ہوگی اور اگر اس کو مانا جائے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں "ان الحسنات یذھبن السیئات"(۵) کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے بارے میں ہے جو کہ نیکی بھی کرتا ہے لیکن گناہ میں مبتلا ہے تو اگر گناہ کرنا دوسری طاعت کے طاعت نہ ہونے کا موجب ہو تو اس کفارہ سیئات کی کوئی

---

(۱) البقرۃ:۴۴ (۲) اچھائی کا حکم کرنا نیکی ہے (۳) دوسرے کو نیکی کا حکم کرنے کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ خود بھی نیک ہو (۴) اگر خود گناہ سے نہ بچتا ہو تو ایسا نہیں کہ دوسرے کو اگر نیکی کا حکم کرے گا تو اس کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس کا ثواب تو ہوگا لیکن اپنے عمل نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا۔ یہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم نہیں ہیں (۵) ھود:۱۱۴

صورت ہی نہ رہے گی اور مضمون آیت کے بالکل خلاف لازم آتا ہے البتہ اگر کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو کہ مفوت (۱) طاعت ہے تو بیشک پھر طاعت طاعت نہ رہے گی اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں طاعت اپنی حالت پر رہے گی اگر چہ معصیت کرنے سے گناہ بھی ہوگا ہاں اتنا اثر ضرور ہوگا کہ گناہ کی وجہ سے طاعت کی برکت کم ہو جائے گی سو یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کو انشاء اللہ کسی دوسرے وقت مستقل طور پر بیان کروں گا (فرمایا کہ بہتر ہو اگر مجھے اس کے متعلق یاد دلایا جائے کیونکہ بعض لوگوں کو اس مسئلے کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے گناہ کرنے میں بہت بے پروائی ہوگئی ہے اور یوں سمجھتے ہیں کہ گناہ کو طاعت کے عدم میں کچھ بھی علاقہ نہیں حالانکہ عدم برکت کا علاقہ ہے) مگر اس وقت یہ بیان کرنا ہے کہ گناہ کرنے سے طاعت منعدم (۲) نہ ہو جاء گی اور دلیل اس کی یہ آیت ہے کہ " ان الحسنات يذهبن السيئات "(۳) (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں۔)

جب اس کی بناء الگ ہوئی تو یہ سمجھنا کہ اگر وعظ کہوں گا تو گنہگار ہوں گا غلطی پر مبنی ہے پس امر بالمعروف طاعت ہوا اور اس کا طاعت ہونا گناہ نہ کرنے پر موقوف نہ ہوا بلکہ آیت میں ملامت اس پر ہے کہ تم خود کیوں عمل نہیں کرتے اور وعظ کے چھوڑ دینے سے تو دوسرا جرم قائم ہو گیا یعنی نہ خود عمل کریں اور نہ باوجود معلوم ہونے کے دوسروں کو بتلائیں یہ ہے علماء کی اس غلطی کا کشف (۴)۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ "ان الحسنات يذهبن السيات" (۵)۔

---

(۱) نیکی کو مٹانے والا ہو (۲) گناہ کرنے سے نیکی بالکل معدوم نہیں ہوگی (۳) ھود: ۱۱۴ (۴) یہ ہے علماء کی اس غلطی کا اظہار (۵) ھود: ۱۱۴۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب ایک شخص امر بالمعروف کرتا ہے جو کہ طاعت ہے اور طاعت مزیل (۱) ہوتی ہے معصیت کی تو اس کا اقتضاء یہ ہوسکتا تھا کہ یہ کفارہ ہو جاتا نسیان نفس بمعنی ترک عمل کا مگر اس طاعت کے ہوتے ہوئے بھی اس کا یہ نسیان اس امر بالمعروف سے ہوا تو جہاں امر بالمعروف بھی نہ ہو نری بدعملی ہی ہو جس میں عیب جوئی بھی داخل ہے وہ تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی ضرور ہوگی۔

آیت میں مذکور حکم کے مخاطبین

خلاصہ یہ ہوگا کہ اے شخص جو کہ اپنی حالت کو بھول رہا ہے جب کہ تیری حالت ایک معصیت اور ایک طاعت کے مجموعہ پر بھی محل ملامت ہے تو جب طاعت ایک بھی نہ ہو بلکہ دونوں امر معصیت ہوں تو کیونکر موجب ملامت نہ ہوگی اور دو معصیتیں اس طرح ہوئیں کہ بدعملی تو اپنی حالت پر رہی جس کو "تنسون انفسکم" فرمایا اور امر بالمعروف کے بجائے دوسرے کی عیب جوئی ہوگئی تو اس حالت میں بدرجہ اتم ملامت ہونی چاہیے پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس میں ملامت کی بناء بدعملی وعیب جوئی ہے علماء کو ہی خطاب نہیں بلکہ جہلاء کو بھی ہے کیونکہ اس کا ارتکاب وہ بھی کرتے ہی بلکہ جہلاء کو زیادہ سخت خطاب ہے اور علماء کو ہلکا کیونکہ ان کے پاس ایک نیکی تو ہے امر بالمعروف اور جہلاء کے پاس تو ایک بھی نہیں اب اس کو غور کیجیے اور جہل پر اپنے فخر کو دیکھئے کہ اسکی بدولت تعزیرات (۲) الٰہیہ کی ایک دفعہ اور بڑھ گئی۔ مقصود اس سب سے یہ ہے کہ ہماری جو یہ عادت پڑگئی کہ ہم دوسروں کی عیب جوئی کیا کرتے ہیں اس کو چھوڑنا دینا چاہیے اور اپنی فکر میں لگنا چاہیے۔

(۱) نیکی اور اطاعت گذاری گناہ کو دور کرنے والی ہوتی ہے (۲) اللہ کے قانون کے مطابق ایک فرد جرم اور عائد ہوگئی۔

صاحبو! اپنے جرائم کیا کچھ کم ہیں کہ ہم دوسروں کی فکر کریں۔

اصلاح کرنے کے آداب

اور یہ جو میں نے کہا تھا کہ اصلاح قوم کے لئے تفتیش حالات جائز ہے اس کے کچھ آداب بھی ہیں ان کو معلوم کر لینا ضروری ہے سو ایک ادب تو اس کا یہ ہے کہ اصلاح کسی شخص کی مجمع عام میں نہ کی جائے کیونکہ اس سے دوسرے کو شرمندگی ہوتی ہے اور اس شرمندگی کا اثر یہ ہے کہ نصیحت کرنے والے سے بغض ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اس امر کو ترک کرنے کے بجائے اس میں اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ میری رسوائی تو ہو ہی گئی پھر میں کیوں چھوڑوں، اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ یا تو خود اس کو خلوت میں لے جا کر اس سے کہہ دے یا اگر اس سے نہ کہہ سکے تو کسی ایسے شخص سے کہہ دے جو کہ اس کی اصلاح کر سکے لیکن اس کے دشمن سے نہ کہے کیونکہ دشمن سے کہنے میں اصلاح تو ہو نہیں سکتی ہاں تذلیل ہو گی دوسرا ادب یہ ہے کہ نرمی سے کہے تحقیر اور طعن کے طور پر نہ کہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر مجمع میں عام خطاب سے کہے تو ایسے پتے نہ دے کہ مجمع عام میں اس کی رسوائی ہو مجھے یہ امر بہت پیش آتا ہے یعنی یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ فلاں شخص سود لیتا ہے ذرا وعظ میں اس کی خبر لیجئے گا یا فلاں شخص نے حقوق دبا رکھے ہیں ذرا اس کے متعلق فرما دیجئے لیکن میں بحمد للہ ان فرمائشوں پر کبھی عمل نہیں کرتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ طریق اصلاح بجائے مفید ہونے کے مضر ہے سننے والے قرائن سے سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں کو کہا جا رہا ہے اور اس سے مجمع عام میں اس کو شرمندگی ہوتی ہے جس کا نتیجہ بغض و عداوت ہے اور اس کے

سبب اپنے فعل کی اور زیادہ پچ ہو جاتی ہے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر واقعی ان لوگوں کی اصلاح کرنی منظور ہے تو اول ان سے میل جول پیدا کیا جائے جب خوب بے تکلفی ہو جائے تو وقتاً فوقتاً نرمی سے ان کو سمجھایا جائے اور خدا تعالیٰ سے ان کے لئے دعا کی جائے اور جو تدبیریں مفید ثابت ہوں ان کو عمل میں لایا جائے غرض وہ برتاؤ کیا جائے جو کہ اپنی اولاد سے کیا جاتا ہے کہ اگر ان کی شکایت کسی دوسرے سے کی جائے گی تو اپنے دوستوں سے کی جائے گی جو کہ اسکی اصلاح کر سکیں یا بزرگوں سے کی جائے گی کہ وہ اس کے لئے دعا کریں علیٰ ہذا جن سے درستی کی امید ہوگی ان ہی سے کہا جائے گا اور جہاں یہ بات نہ ہوگی وہاں زبان پر بھی اپنی اولاد کے عیوب کو نہ لایا جائے گا یہ مثال بحمداللہ ایسی عمدہ ہے کہ اس کے پیش نظر رکھنے کے بعد اصلاح کے تمام آداب معلوم ہو جائیں گے یعنی جس مسلمان کی اصلاح کرنی چاہو یہ غور کرلو کہ اگر یہ حال ہماری اولاد کا ہوتا تو ہم کیا برتاؤ اس کے ساتھ کرتے بس جو برتاؤ اسکے ساتھ طبیعت تجویز کرے وہی برتاؤ اس غیر کے ساتھ بھی کرو۔

حدیث کے معنیٰ

اور میں اس حدیث کے کہ "المسلم مرأۃ المسلم" (ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہوتا ہے) یہی معنیٰ بیان کیا کرتا ہوں یعنی جس طرح آئینہ کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے عیوب چہرہ کو تم سے چھپاتا نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح مسلمان کو بھی ہونا چاہیے کہ کسی مسلمان کے عیوب کو اس سے چھپائے نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہ کرے نیز یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں

کینہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ آئینہ کی طرح بالکل صاف باطن رہنا چاہیے کسی نے خوب کہا ہے۔

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن   کفرست درطریقت ما کینہ داشتن

(ہمارے مذہب میں بغض کینہ دل میں رکھنا کفر ہے ہمارا دستور یہ ہے کہ دل کو آئینے کی طرح صاف وشفاف رکھا جائے۔)

یہ شعر اس مقام پر بہت زیادہ چسپاں تو نہیں ہے لیکن لفظ آئینہ کی مناسبت سے پڑھ دیا گیا ہے کہ آئینہ کی شان صفائی ہوتی ہے اور اوپر جو وجہ شبہ بیان کی گئی ہے وہ بھی صفائی کی فرد ہے۔

ظالم کی عیب گوئی مظلوم کے لئے جائز ہے

حاصل یہ ہے کہ جب کسی کے عیوب پر مطلع ہو تو اس کو اطلاع کردو اور اگر یہ کارگر نہ ہو تو خدا تعالیٰ سے دعا کرو۔ غرض دوسرے کی عیب جوئی وعیب گوئی ان مصالح سے تو جائز ہے اور اگر یہ مصالح نہ ہوں تو باستثناء ایک موقع کے بالکل حرام ہے اور وہ موقع یہ ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی عیب گوئی کرے کیونکہ مظلوم کو ظالم پر غصہ ہوتا ہے۔ اور وہ غصہ حق ہوتا ہے پس شریعت نے مظلوم کو اجازت دے دی ہے کہ وہ اپنے غصے کو نکال دے سبحان اللہ شریعت اسلام کی تعلیم بھی عجیب پاکیزہ تعلیم ہے کسی ایک قابل رعایت پہلو کو بھی نہیں چھوڑا۔ مجھے تو اسلام کی تعلیم دیکھ دیکھ کر یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا این جاست

(سر کی مانگ سے لے کر پاؤں تک جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں ایک عجوبہ سامنے آتا ہے اور وہ عجوبہ دل کو کھینچے چلا جاتا ہے اصل دیکھنے کی جگہ تو یہ ہی ہے)

دیکھئے مظلوم چونکہ اپنے جائز غصے کو نکالتا ہے اور یہ طبعی امر ہے کہ اس کے ضبط سے کلفت (۱) ہوتی ہے تو اس کو اجازت دے دی گئی نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ جب اس مظلوم کی غیبت سے لوگوں کو ظالم کے ظلم کی حالت معلوم ہوگی تو وہ اپنے بچانے کی فکر کرلیں گے بلکہ بعض بزرگوں نے تو ایک مضمر مصلحت سے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مظلوم کو چاہئے کہ اگر اس کو باطنی قرائن سے معلوم ہو جائے کہ میرے صبر کرنے سے ظالم پر ضرور قہر نازل ہوگا (کیونکہ بعض شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوتا ہے) تو اپنی زبان سے کچھ تھوڑا ضرور ظالم کو کہہ لیا کرے کیونکہ اس کی خاموشی سے اندیشہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب دنیا ہی میں ظالم پر ٹوٹے۔ اور بعض بزرگوں کے کلام سے جو نہ کہنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے وہ اس بناء پر کہ صبر ایک نیک عمل ہے اس کے کرنے سے مظلوم کو زیادہ ثواب ملے گا لیکن جنہوں نے کچھ کہنے کی اجازت دی اور اس کو افضل بتلایا انہوں نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بندے کو دوزخ کا عذاب نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے قہر سے محفوظ رہے۔

شبہ کا ازالہ

شاید کسی طالب علم کو شبہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے قہر سے محفوظ رہنے کی یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ مظلوم معاف کردے تو سمجھنا چاہیے کہ بعض لوگوں کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ معاف بھی کردیں تو خدا تعالیٰ اپنا حق کہ ان کے بندے کو ستایا تھا معاف نہیں فرماتے ۔

---

(۱) پریشانی۔

اہل اللہ کو بُرا کہنے کا وبال

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کو کچھ بے ہودہ کہا ان بزرگ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ اس کے ایک دھول مار (۱) وہ ذرا متامل (۲) ہوا فوراً وہ شخص زمین پر گرا اور مر گیا انہوں نے اپنے مرید سے کہا کہ تم نے دیر کی اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اور فرمایا کہ جب اس نے مجھے بُرا بھلا کہا تو میں نے دیکھا کہ قہر خداوندی اس پر نازل ہوا چاہتا ہے اس لیے میں نے چاہا تھا کہ میں خود ہی اس کو کچھ کہہ لوں تا کہ قہر خداوندی اس پر نہ پڑے لیکن تم نے دیر کردی آخر یہ شخص ہلاک ہوگیا اور یہی راز ہے کہ جب حضور ﷺ کے دہن مبارک میں کڑوی دوا ڈالی گئی اور آپؐ کے منع فرمانے پر لوگوں نے نہیں مانا تو حضور ﷺ نے ہوش آجانے کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے منہ میں دوا ڈالی ہے ان سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباسؓ کے کہ وہ شریک رائے نہ تھے تا کہ مکافات ہو جائے اور یہ لوگ قہر خداوندی میں مبتلا نہ ہوں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں اکثر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی اکثر حرکات سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور میری تکلیف کی وجہ سے لوگ وبال میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور میں نے ہر چند خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میری وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوتی حافظ فرماتے ہیں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　　با دردکشاں ہر کہ دراُفتاد براُفتاد

ہیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد　　　تا دلی صاحبدلی نامد بدرد

---

(۱) تھپڑ مارو (۲) اُس نے کچھ سوچ بچار کی۔

(ہم نے اسی بدلا دیئے جانے والے جہاں میں تجربہ کیا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ والوں کے ساتھ الجھ گیا وہ خود مبتلائے غضب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم کو رسوا نہیں کیا مگر اسوقت جب کسی صاحب دل کا دل دکھایا۔)

تو چونکہ بعض کے معاف کرنے سے بھی پورا معاف نہیں ہوتا اس لئے وہاں کچھ کہہ لینا ہی مصلحت ہے غرض مظلوم کو اظہار ظلم کی بدون کسی مصلحت کے بھی اجازت ہے اگر وبال کے ٹل جانے یا ہلکا ہو جانے کی نیت ہو تو وہ مستحسن ہے لیکن غیر مظلوم کو مصالحہ سابقہ کے بغیر اجازت نہ ہوگی۔

خلاصہ وعظ

اب میں اپنے بیان کو بقیہ آیت کا ترجمہ کر کے ختم کرتا ہوں فرماتے ہیں "وانتم تتلون الکتاب" یعنی باوجودیکہ تم کتاب اللہ کو پڑھتے ہو اور اس کے احکام تم کو معلوم ہیں شاید بعض لوگ اس ترجمے کو سن کر خوش ہوں کہ یہ تمام خطاب تو ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ کتاب کو پڑھتے ہیں ہم چونکہ پڑھے ہوئے نہیں اس لئے ہم مخاطب نہیں ہیں لیکن یہ خوشی صحیح نہیں کیونکہ آگے یہ بھی ارشاد ہے "افلا تعقلون" یعنی (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ جس طرح نقلی ہے عقلی بھی ہے یعنی عقل بھی اس کے قبح (۱) کا فتوی دیتی ہے بہر حال اس آیت کے بدلالت مطابقی اس پر وعید ہوئی کہ اوروں کو سمجھاؤ اور خود عمل نہ کرو (۲) اور بدلالت التزامی وبدلالت النص یہ ثابت (۳) ہوا کہ اوروں کی برائی کے درپے ہونا اور اپنی برائیوں کو فراموش کرنا

---

(۱) برائی (۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو سمجھانا اور خود عمل نہ کرنا بُری بات ہے (۳) یہ آیت اس حکم کو بھی دلالتاً بیان کرتی ہے کہ دوسروں کے گناہوں کی جستجو کرنا اور اپنے عیوب سے بےفکر ہونا یہ بھی گناہ ہے ہر وقت اپنے گناہوں پر نظر اور ان کی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے۔

بُرا ہے ضرورت اس کی ہے کہ ہر وقت اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر ہو اور اس کے معالجے کی فکر کی جائے اور جس میں اپنی فکر کافی نہ ہو اس میں دوسرے ماہر سے رجوع کرو شرم و حجاب کی وجہ سے اپنے امراض کو معالج سے چھپایا نہ جائے کیونکہ اظہارِ مرض کے بغیر علاج ممکن نہیں (۱)۔

یہ بیان ختم ہوا چونکہ اس مرض میں اکثر لوگ مبتلا تھے اس لئے اس لئے اس کا بیان کرنا ضروری سمجھا گیا، سو بحمد اللہ کافی گفتگو اس پر ہوگئی اب خدا تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ ہم کو فہم صحیح اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں۔
آمین یا رب العالمین۔ (۲)

تمت بالخیر

---

(۱) اپنے اندر جو عیب ہوں ان کا علاج اپنے شیخ و مربی سے معلوم کرے (۲) اللہ تعالیٰ تمام قارئین اور احقر کو بھی اپنی اصلاح کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین　　خلیل احمد تھانوی ۴ شوال ۱۴۲۷ھ۔

''نسیان النفس''

ترک عمل

سفر سوئے مدینہ

دیکھ لو اب مسکن خیر الانام آنے کو ہے
وہ مقام قابل صد احترام آنے کو ہے

ہوش میں آ طالب صہبائے طیبہ دیکھ لے
آبشار گنبد خضریٰ کا جام آنے کو ہے

آنکھ پرنم ہے زباں پرورد ہے صل علیٰ
یوں در آقا پہ یہ ادنیٰ غلام آنے کو ہے

اپنی خوش بختی پہ نازاں ہے غلام مصطفیٰ
عرض کرنے در پہ آقا کے سلام آنے کو ہے

اللہ اللہ جانب بطحا چلا ہے قافلہ
زندگی کی صبح تکمیل مرام آنے کو ہے

عمر بھر کرتے رہے جس کی تمنا اہل دل
اب جگر تھامیں کہ وہ عالی مقام آنے کو ہے

کہکشاں روشن ہے دیکھو مرکز انوار کی
جلوہ گا ہے رونق ماہ تمام آنے کو ہے

کہہ رہی ہے آج عارف یہ فضاؤں کی مہک
اب مقام رشک جنت کی مشام آنے کو ہے

مشرف علی عارف تھانوی۔ ۴ ذی الحجہ۔ ۱۴۲۵ھ

آرزوئے مدینہ

مدینے حاضری کی آرزوؤں کا ثمر دیدے
پہنچ جاؤں میں اڑکر مجھ کو ایسے بال و پر دیدے

فدا کردے براہ اشک جو خون جگر میرا
مجھے وہ درد دل دیدے مجھے چشم تر دیدے

ترے دربار میں حاضر ہوں یہ ہے آرزو میری
وسائل مختصر ہیں مجھ کو تو رخت سفر دیدے

ہے جب تک زندگی ہر سال حاضر ہوں ترے در پر
تجھے مشکل نہیں یارب مجھے توفیق گر دیدے

گذاروں کوچۂ جاناں میں جاکر زندگی اپنی
جواز شہر جاناں میں مجھے بھی کوئی گھر دیدے

غبار راہ طیبہ میری آنکھوں کا بنے سرمہ
پئے تسکیں حرم کا سایۂ دیوار و در دیدے

الٰہی التجا ہے عارف مشتاق طیبہ کی
مجھے پھر حاضری دربار کی بار دگر دیدے

مشرف علی عارف تھانوی ۱۳ اگست ۲۰۰۴ء

مدینہ منورہ

وہ طیبہ ہے بہارِ جاں فزا ہے ہر گلی جس کی
امینِ نقش پائے مصطفیٰ ہے ہر گلی جس کی

کشش سے اپنی بے حد دلربا ہے ہر گلی جس کی
انوکھی خوشبوؤں سے پُر فضا ہے ہر گلی جس کی

در و دیوار جس کے ترجمانِ وحیِ ربانی
شہادت دین حق کی برملا ہے ہر گلی جس کی

جہاں کے چپہ چپہ پر سدا رحمت برستی ہے
مجسم مظہر جود و سخا ہے ہر گلی جس کی

گلی کوچوں میں جس کے ہر قدم منزل ہے عاشق کی
مدینہ وہ ہے پیغامِ شفاء ہے ہر گلی جس کی

شرابِ معرفت جس کے گلی کوچوں بٹتی ہے
وہ رندوں کے لئے اک میکدہ ہے ہر گلی جس کی

جہاں کا ذرہ ذرہ رشک صد شمس و قمر عارف
مجسم نور ہے پیہم ضیاء ہے ہر گلی جس کی

مشرف علی عارف تھانوی ۲۴ رجب ۱۴۲۵ھ

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایما پر قاری سراج احمدؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۴۸ء سے مصروفِ خدمت ہے۔

اب یہاں الحمدللہ تجوید و قراءت کے ساتھ دورۂ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہو رہی ہے۔ ادارہ کے نصابِ تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب میں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے پہلے سال میں تجوید کی روایتِ حفص مکمل کر لے۔ ثانویہ خاصہ کے سالِ دوم کے اختتام پر اس کی سبعہ قراءات مکمل ہو جائیں اور عالیہ کے دو سالوں میں عشرہ قراءات مکمل کر لے۔ اس کے بعد عالمیہ (دورۂ حدیث) کا نصاب مکمل کر کے ایک طرف مکمل عالم بنے تو ساتھ ہی عشرہ کا بہترین قاری بھی ہو اور اس کو جامعہ کی اسناد قراءات کے ساتھ وفاق المدارس کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کو نظام الاوقات کا پابند کیا گیا ہے جس میں ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے۔ سونے جاگنے، پڑھنے، کھانے، کھیلنے اور نماز کے اوقات متعین ہیں۔

طلبا کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے ہیں۔ جبکہ سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیرِ انتظام ہوتا ہے۔ درسِ نظامی متوسطہ سے دورۂ حدیث تک حفظ و ناظرہ و تجوید و قراءات، وعشرہ عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم اور تحقیق و تصنیف نیز انتظامی امور کے لیے کل ایک سو دو (۱۰۲) افراد کا عملہ مصروفِ خدمت ہے۔

طلبا کی تعداد حفظ و ناظرہ کے درجات میں ۵۶۱ اور درسِ نظامی متوسطہ سے دورۂ حدیث تک قراءتِ سبعہ عشرہ اور تجوید للعلما نیز تخصص فی القراءات، حفظ القرآن اکیڈمی اور دار العلوم اکیڈمی، ان تمام درجات میں ۹۸۰، اس طرح کل طلبا ۱۵۴۱ زیرِ تعلیم ہیں۔ ان میں سے ۷۵۲ طلباء کے قیام و طعام، نقد وظیفہ، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معالجہ کی سہولت کی ذمہ داری دار العلوم پر ہے۔

الحمدللہ درسِ نظامی کے سالِ اول سے اوپر تک تمام درجات کے اکثر طلبا حافظِ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ ماہنامہ "الامداد" کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کر کے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اور ان کے ہمراہ چار ماہر علما احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کر چکے ہیں جس کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد سے علماء جمیل الفتاویٰ اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل کی تدوین و ترتیب میں مصروف ہیں۔

LRL - 78

ماہنامہ الامداد لاہور

دسمبر ۲۰۰۶ء

ہر درجہ میں نماز ظہر سے قبل اُمت مُسلمہ کے لئے روزانہ دُعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جامعہ کا کوئی سفیر چندہ کیلئے نہیں۔ نہ جمعہ وعیدین یا جلسہ کے اجتماعات میں چندہ کی اپیل کی جاتی ہے اور نہ ہی چندہ کے لئے مدرسہ یا مسجد میں کوئی بکس رکھا گیا ہے۔ البتہ جو احباب مدرسہ کو ماہانہ عطیات دیتے ہیں ان سے وصولی کے لیے محصل مقرر ہے۔ حکومت کے کسی ادارہ سے کسی قسم کی مالی امداد نہیں لی جاتی۔ اگر آپ اپنا تعاون خود نہ پہنچا سکیں تو مدرسہ میں اطلاع کردیں محصل جا کر لے آئے گا۔

اس وقت ماہانہ اخراجات **ساڑھے تیرہ لاکھ روپے** سے زائد ہیں۔ یہ تمام مصارف محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے زکوٰۃ وصدقات اور عام عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

آپ بھی اس عظیم صدقہ جاریہ میں بھرپور حصہ لے کر اپنے والدین، اعزہ اور اولاد کے لیے ذخیرہ آخرت فراہم کیجئے۔

الحمد للہ دار العلوم تعلیمی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت **دار العلوم سات** مختلف جگہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ لیکن اسکے باوجود جگہ کی قلت کام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جس کے حل کے لیے شہری آبادی سے قریب تر بڑی جگہ کی تلاش جاری ہے۔ بڑی جگہ کے لیے بڑے وسائل کی بھی ضرورت یقینی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں جامعہ دار العلوم سے محبت رکھنے والے حضرات جگہ کی نشاندہی اور وسائل کی فراہمی میں مقدور بھر حصہ لیں گے۔

مجلس منتظمہ ومہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

مرکزی درس گاہ ۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 5422213-5422206

1. دار العلوم الاسلامیہ پُرانی انارکلی چرچ روڈ لاہور۔ فون: 7353728
2. دار الفلاح عباس بلاک مصطفیٰ ٹاؤن لاہور۔ فون: 5410311
3. دار القرآن 99۔ کے جوہر ٹاؤن لاہور
4. مدرسہ فاروق اعظم گلشن راوی لاہور
5. مسجد ابوبکر راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
6. جامعہ مسجد رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
7. مدرسہ منور ابراہیم 8۔ جی جوہر ٹاؤن لاہور

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کے بنک اکاؤنٹ نمبر

110-دی بنک آف پنجاب مصطفیٰ ٹاؤن برانچ 12 کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

7- 557 - 0110 یو۔ بی۔ ایل لٹن روڈ برانچ لاہور